ھجرت ——— راہِ حق میں گھر بار کی قربانی

جناب سید اسعد گیلانی صاحب

اسلامی تحریک انسانیت کی سب سے زیادہ قیمتی متاع ہے، اس لیے کہ اسی کی مدد سے انسانیت راہِ حق کا نشان اور منزلِ زندگی کا پتہ پاتی ہے۔ لیکن انسانیت تک پیغامِ ہدایت پہنچانے کے لیے کسی تحریک اور اس کے وابستگان کو جن کٹھن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے وہ ہولناک ریکارڈ بھی تاریخ کے ذخیرے میں محفوظ ہے۔ جہاں کہیں اسلامی تحریکیں اٹھی ہیں وہیں وہیں ہجرتوں کے باب کھل گئے ہیں اور آزمائشوں نے راہِ حق کے مسافروں کے عزم و ہمت کو آزمانے کا ہر سامان فراہم کیا ہے۔

معاشرے کی اصلاح چاہنے والوں کو انسانی معاشروں نے اس قدر ظلم و ستم کا نشانہ بنایا کہ بالآخر انہیں عقیدہ و مسلک کے تحفظ کے لیے اپنی محبتوں، اُلفتوں، رشتوں اور دوستیوں کے ساتھ ساتھ اپنے گھر بار، عزیز و اقارب، مال و دولت، کاروبار و تجارت اور وطن و سرزمینِ الفت کی قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔ یہ قربانیاں دینا ہر کسی کے بس کا کام نہیں ہوتا۔ ہر شخص جو اُلفت کا دم بھرتا ہے وہ منصور کی طرح صلیب کندھے پر رکھ کر چلنے کے لیے تیار نہیں ہو سکتا۔

اسلامی تحریکوں کو سمجھنا کہ وہ فلاحِ انسانیت کا ذریعہ ہیں، یہ سمجھنا کہ اُن سے وابستگی

زندگی کا اعلیٰ ترین مشن اختیار کرنے کے مترادف ہے، ہر کسی کا کام نہیں ہوتا - لوگ مدتوں تک سوچ بچار اور تذبذب کا شکار رہتے اور نفع ونقصان کی میزان میں اپنے مسلک و عقیدہ کو تولتے رہتے ہیں - کسی عظیم تر مقصد کے لیے ہر شے قربان کرنے پر تیار ہو جانا صرف ان لوگوں کا کام ہوتا ہے جو تاریخ انسانیت میں بڑے کارنامے سرانجام دینے کے لیے پیدا کیے گئے ہوتے ہیں - اسی لیے قرآن میں ایسے لوگوں کا ذکر پورے امتیاز کے ساتھ کیا گیا ہے۔ راہِ حق میں قربانیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے قرآن نے سورۂ توبہ میں ایسے لوگوں کی ان الفاظ میں نشان دہی کی ہے -

"اللہ کے ہاں تو انہی لوگوں کا بڑا درجہ ہے جو ایمان لائے ـــ اور جنہوں نے اس کی راہ میں گھر بار چھوڑے ـــ اور جانفشانیاں کیں وہی کامیاب ہیں - (توبہ ۲۰)

مزید فرمایا:

"جن لوگوں کا حال یہ ہے کہ جب ایمان لانے کی وجہ سے ستائے گئے - تو انھوں نے گھر بار چھوڑ دیئے، ہجرت کی، راہ خدا میں سختیاں جھیلیں ـــ اور صبر سے کام لیا - ان کے لیے یقیناً تیرا رب غفور الرحیم ہے -

(النحل ۱۱۰)

اسی بات کو انجیل میں اس طرح بیان کیا گیا ہے :

"جس کسی نے گھروں یا بھائیوں یا بہنوں یا باپ یا ماں یا بچوں یا کھیتوں کو میرے نام کی خاطر چھوڑ دیا ہے - اس کو سوگنا ملے گا ـــ اور وہ ہمیشہ کی زندگی کا وارث ہوگا - (متی ۱۹ ـــ ۲۰)

چنانچہ جب مکہ کی تحریک اسلامی ان حالات سے دوچار ہوئی تو اُن میں سے ہر شخص میزانِ حق پر پورا اترا - مسلمان ایک ایک کر کے مکہ چھوڑ کر یثرب کی طرف ہجرت کرتے جا رہے تھے - صرف محدودے چند باقی تھے - میرِ کارواں کو حاکم مطلق کے حکم کا انتظار تھا - حضرت ابوبکرؓ دوپہر کے وقت اپنے بال بچوں میں بیٹھے تھے - کسی نے کہا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

آرہے ہیں، اور پھر حضور تشریف لے آئے اور تخلیے کی فرمائش کی۔ حضرت صدیقؓ نے کہا۔ کوئی غیر نہیں ہے۔ آپ کے اپنے ہی لوگ ہیں۔

اس پر آپؐ نے فرمایا "ابوبکرؓ ہجرت کی اجازت آگئی ہے۔"

اُنھوں نے بے تابی سے عرض کیا "اور میری رفاقت یا رسول اللہ"۔

فرمایا "رفاقت کی بھی اجازت ہے"۔

یہ سُن کر حضرت ابوبکرؓ فرطِ مسرت سے رونے لگے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کا قول ہے کہ اُس روز میں نے جانا کہ آدمی جوشِ مسرت میں بھی روتا ہے۔ الغرض وقتِ معین پر حضورؐ نے ہجرت فرمائی اور غارِ ثور میں تین روز قیام رہا اور جب دشمن تلاش کرتے کرتے بالکل سر پر آپہنچے اور ابوبکرؓ نے بے تابی کا اظہار کیا تو حضورؐ نے فرمایا۔

"ابوبکر غمگین نہ ہو، اللہ ہمارے ساتھ ہے"۔[۱]

غرض آدمی کے پاؤں کی زنجیر اس کا اپنا گھر بار ہی ہوتا ہے۔ وہ ایک خاص جگہ کو اپنا وطن کہتا ہے۔ خاص بستی کو اپنی بستی کہتا ہے اور خاص مکان کو اپنا گھر کہتا ہے۔ اور ان سب سے محبت کرنا اس کی فطرت میں داخل ہے۔ ایک گھر میں مدت تک رہتے ہوئے اور عمر کا بڑا حصّہ گزارتے گزارتے وہ اس سے مانوس ہوجاتا ہے۔ اس پر خرچ کیا ہوا مال اس میں گزارے ہوئے شب و روز، اُس میں برداشت کیے ہوئے غم و آلام اور اس میں بسر کیے ہوئے مسرت و انبساط کے لمحات، یہ سب مل کر اُسے اس جگہ سے بلا زنجیر کے باندھ دیتے ہیں۔ وہ جب اس جگہ سے دور ہوتا ہے تو اُداس اور مضطرب ہوتا ہے۔ اور جب اس کے قریب آتا ہے تو مطمئن اور خوش ہوتا ہے۔ اس کے ہمسائے اور ان کے تعلقات اور اس کے عزیز و اقارب اور ساتھی حتیٰ کہ اس مکان اور مقام کی ایک ایک چیز زنجیر کی ایک ایک کڑی بن کر اُسے اپنے آپ سے باندھ لیتی ہے۔ اور اگر اُسے چھوڑنے کا خیال بھی آئے تو اس خیال اپنے دل میں جگہ دینے پر آمادہ

---

[۱] حکایاتِ صحابہ۔ از مولانا محمد زکریا دہلوی

نہیں ہوتا۔ وہ اپنے گھر کی حفاظت کے لیے لڑتا ہے اور اس کے اندر اپنے آپ کو محفوظ و مامون سمجھتا ہے۔ ایک گہرا لگاؤ اور قلبی تعلق اُسے اس جگہ سے فطری طور پر ہوتا ہے اور اُسے چھوڑ دینا اس کے لیے کسی صورت ممکن نہیں ہوتا۔

اتنا گہرا رشتہ، اتنا شدید لگاؤ اور اتنی قلبی محبت کے ساتھ وہ اس جگہ سے چمٹا ہوا رہتا ہے۔ اور موت سے پہلے اسے چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ بلکہ موت کی آمد پر بھی وہ ان مقامات پر حسرت بھری نظر ڈالتا ہے اور کسی صورت بھی وہ یہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر موت کے فرشتہ کی ہمراہی میں اُٹھ جانے پر تیار نظر نہیں آتا۔

لیکن اگر اُس نے کسی مقصد سے عشق کیا ہے اور کسی نصب العین کو اپنایا ہے تو وہی مقصد اور نصب العین کبھی کبھی اس سے یہ تقاضا کرتا ہے کہ محبت کے اس خزانہ میں گھر بار کو تول کر ہلکا ثابت کر کے دکھائے۔ اس صورت میں اس کی مقصدِ زندگی اُسے اخلاص کا پروانہ دے سکتا ہے اور اگر وہ منزل راہِ حق ہو، وہ مقصد رضائے الٰہی کا حصول ہو، اور وہ نصب العین تحریکِ اسلامی کے ذریعے دین کا غلبہ اور قیام ہو، تو پھر تو معاملہ اتنا نازک ہوتا ہے کہ گھر بار لٹانے پر رنج و غم بھی گوارا نہیں ہوتا، بلکہ بہ طیب خاطر اس قربانی کو سہہ جانے کا مطالبہ ہوتا ہے۔ مطالبہ یہ ہوتا ہے کہ اگر حق سے محبت ہے تو اس راہ کی ہر رکاوٹ کو ٹھوکر سے ہٹاؤ۔ ذوق و شوق سے ہٹاؤ۔ اور اس پر دل میں ذرا کدورت بھی نہ لاؤ۔ اس کی مثال کس کس نے راہِ عشق میں پیش نہیں کی ہے۔ وہ مقدس مہاجر جو نمرود کے دربار کی قربت چھوڑ کر عمر بھر کے لیے عراق و عرب و فلسطین کے صحراؤں کا بادیہ پیما بن گیا تھا، جس کا ذکر بھی اس کا مالک پیار و محبت بھرے لہجے میں خلیل کہہ کر اپنے کلام پاک میں بار بار کرتا ہے۔ حضرت نوحؑ، موسیٰؑ، اسماعیلؑ، یونسؑ، صالحؑ، لوطؑ، یوسف علیہم السلام اور کون کون سے مہاجر ہیں۔ جن کے قدموں کی خاک بھی مل جائے تو اسے آنکھوں کا سرمہ بنانا اور چہرے پر ملنا زندگی کا سب سے بڑا سرمایہ ہو سکتا ہے۔ یہ سب اللہ کی راہ میں جب اُن کے مشن نے مطالبہ کیا تو گھر بار کو یوں لٹا کر الگ ہو گئے اور چھوڑ چھاڑ کر دامن جھاڑتے ہوئے اس بے نیازی سے چل پڑے جیسے یہ کوئی گرد تھا جسے پاؤں سے

مٹھو کر مار کر وہ آگے نکل گئے ہوں - حبش کی طرف ہجرت کرنے والوں اور مدینہ کی طرف جانے والوں نے یہی نمونہ پیش کیا - گھر بار، کھیتی باڑی، مال و اسباب، ساز و سامان کوئی چیز بھی تو اُن کا راستہ روک کر کھڑی نہ ہو سکی - سب کچھ اللہ کی محبت اور اس کے حق کے مقابلے میں شکست کھا گیا - اسلامی تاریخ نے بنی آدم کی ساری دنیوی حیات میں بہترین اوراق ایثار و قربانی پیش کیے ہیں - حق کے لیے کٹ مرنے کا شیوہ اور سب کچھ لٹا دینے کا طریقہ دنیا نے اسلام کے شیدائیوں سے ہی سیکھا ہے - خود ہمارے قریب ترین زمانے میں سید احمد شہید کی تحریکِ مجاہدین نے بھی یہ نمونہ پیش کرنے میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی ہے -

---

جب مولانا ولایت علی کو سید احمد صاحب بریلوی کی تحریک کا حال معلوم ہوا اور اُن کے عزمِ جہاد اور اقامتِ دین کی مساعی کی خبر ہوئی تو انہوں نے تعلیم چھوڑ دی اور سید صاحب کے ساتھ رائے بریلی چلے گئے - جماعت کے دوسرے آدمیوں کے ساتھ وہ ہر کام میں شریک رہتے، اینٹیں تھاپتے، گارا بناتے، جنگل سے لکڑیاں لاتے - اور جب فرصت ملتی تو شاہ اسماعیل شہید سے پڑھا کرتے -

سید صاحب نے خود بھی جب تبلیغ جہاد کر کے اپنے رفقاء کی ایک جماعت تیار کر لی تو انہوں نے اس عزیز مقصد کے لیے دوشنبہ ۱۷ جون ۱۸۲۶ء کو راہ ہجرت میں قدم رکھ دیا اور اس سرزمین سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گئے، جس کی محبت بھری فضاؤں میں عمر کی چالیس بہاریں گزاری تھیں اور جس کے چپے چپے سے قلبی وابستگی کے بیسیوں رشتے قائم تھے -

ان کا گھرانہ اگرچہ دنیوی مال و جاہ کا کبھی طلب گار نہ ہوا اور اس متاعِ فاسد کے لیے اس کے ہاتھ کبھی کسی کے سامنے نہ پھیلے، تاہم دینی و روحانی دولت مندی نے اس گھرانے کے لیے رفعِ ذکر اور پذیرائی عامہ کے ایسے دروازے کھول دیئے تھے، جو علم و فضل اور امر و حکم کی اونچی مسندوں پر بیٹھنے والوں کے لیے بھی باعثِ رشک تھے - خصوصاً سید صاحب کی قابلیت کا تو یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے اکابر اپنی ہر متاعِ عزیز اخلاص مندی کے ساتھ دامن میں ڈالے ہوئے اس بات کے منتظر رہتے تھے کہ یہ بزرگ ہستی التفات و قبول سے اُسے مشرف فرمائے - سید صاحب

گھر بیٹھے راحت و فراغت کی ایسی زندگی بسر کر سکتے تھے جو اکثر حکمرانوں کو بھی نصیب نہ تھی۔[1]

لیکن سیّد صاحب کو یہ زندگی جو پیرزادوں کو بڑی محبوب ہوتی ہے ہرگز مطلوب و محبوب نہ تھی۔ ان کے سامنے راہ راست اور راہِ حق کے تقاضے کچھ اور تھے۔ اور وہ یہ تھے کہ اللہ کی رضا کے حصول کے لیے اپنا سب کچھ چھوڑ کر گھر سے نکلا جائے اور دین کی خاطر بادیہ پیمائی کی جائے۔ چنانچہ انہوں نے بھی سنّتِ محمدی اختیار کی اور غریب الوطنی کی حالت میں ہی مالک کے حضور اپنی جان پیش کر دی۔

آپ کی روانگی بھی اس حال میں ہوئی کہ ماہ رمضان سفر ہجرت میں آیا۔ سینکڑوں آدمی ساتھ تھے۔ اور ان کے سامنے مولا کی رضا کے حصول کے سوا اور کوئی مقصد نہ تھا۔ راستے میں لوگ آتے رہے اور بیعت کر کر کے رفاقت اختیار کرتے چلے گئے۔ ایک بڑھیا میلوں پیدل چل کر خدمت میں حاضر ہوئی اور بیعت کے بعد جہاد کے لیے اعانت پیش کی جب کہ آج کل رمضان میں گھر سے نکل کر چند آدمیوں سے دعوتی ملاقات تک ان لوگوں کے لیے بوجھل کام ہوتا ہے جو اپنے آپ کو دین کے نام لیوا اور دعوتِ حق کے علمبردار شمار کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انقلابی کام انہیں کا حصّہ ہے جو اسے جان کی بازی کے ساتھ سرانجام دیتے ہیں۔ یہ ٹھنڈے ٹھنڈے سیر و تفریح کا راستہ نہیں ہے۔

ہجرت کے بعد جہاد کا آغاز ہوا اور سرداران پشاور کی غداری کے نتیجے میں جب تحریکِ مجاہدین کی ایک بڑی تعداد ضائع ہوگئی اور سیّد صاحب کو یہ معلوم کر کے مزید دکھ ہوا کہ ظالم درندے شہیدوں کی لاشوں پر گھوڑے دوڑا دوڑا کر انہیں روندتے تھے اور کہتے تھے کہ اُٹھو! اور اب ہمیں نماز اور عشر کی تاکید کرو۔ تو یہ مخالفتِ حق کی انتہا تھی۔ یہ دکھ سیّد صاحب کے لیے انتہائی جانکاہ تھا۔ وہ غداروں کی اس سرزمین سے دوبارہ ہجرت کر جانے کا پروگرام

---

[1] سیّد احمد شہید صفحہ ۲۸۳ مؤلفہ مولانا ابوالحسن علی ندوی۔

بنانے لگے۔ چونکہ مومن کو تو احکامِ خداوندی کے اجراء سے غرض ہے ورنہ ہر ملک ملکِ ماست کہ ملکِ خدائے ماست والا مضمون ہے۔ چنانچہ سید صاحب نہایت دکھ سے فرمانے لگے۔

"اس سیاست سے ہماری غرض یہ نہ تھی کہ صاحبِ ملک، و جاہ بن جائیں محض اللہ کے بندوں کی تہذیب و تادیب چاہتے ہیں۔ اب ہم انہیں منتقمِ حقیقی کے انصاف پر چھوڑتے ہیں۔ اور بقیہ رفیقوں کے ساتھ کسی دوسرے ملک کا راستہ لیتے ہیں۔ ہم اپنے وطن کو چھوڑ سکتے ہیں۔ جہاں کہیں صادق القول لوگ مل جائیں گے انہیں پر انحصار کریں۔ اسی ملک پر کوئی انحصار نہیں"۔

سفرِ ہجرت میں جن جن مشکلات کا سامنا ہوا ان کا تصور بھی ان لوگوں کے لیے ممکن نہیں جنہوں نے موجودہ زمانے کے ذرائع آمد و رفت سے فائدہ اٹھایا ہے اور صرف میدانی سفر کیے ہیں۔ پہاڑی سفر اور وہ بھی پیدل۔ رات کے وقت پہاڑی راستے، قدم ناآشنا راہ، چنانچہ قافلے میں سے ایک عورت غار میں جا گری لیکن ایک درخت میں اٹک گئی جو غار کے اندر اُگا ہوا تھا۔ کمبل باندھ کر اُسے نکالا گیا۔ کبھی رات پہاڑ پر بسر ہوتی تو کبھی کسی کھوہ میں، کبھی کسی بستی میں۔ گھوڑے اور اُونٹ گر جاتے۔ سواریاں بدک جاتیں۔ لیکن راہ روانِ راہِ حق برابر مشکلات اور دشواریوں سے دوچار ہونے ہوئے آگے بڑھتے چلے گئے۔ جب گھر بار چھوڑنے اور مالک الملک کی غلامی اختیار کر لیں تو پھر کسی مقام سے وابستگی کیا معنی۔ ایک غازی کی بندوق کی نالی برف سے اَٹ گئی۔ بندوق چلائی تو نالی پھٹ گئی اور رُخسار زخمی ہو گیا۔ برف کی سردی نے گھٹنوں کو بے بس کر دیا۔ مولانا اسماعیل شہید بھی لاچار ہو گئے۔ چلنا پھرنا دشوار ہو گیا۔ چند غازیوں نے دوسروں کی مدد کی چارپائی پر ڈال کر اگلی منزل تک پہنچایا۔ ایک اور مجاہد کا یہ حال ہوا کہ سفر کی دشواریوں کے پیہم دباؤ کی وجہ سے جینے کی اُمید نہ رہی تو اپنا سب کچھ ساتھیوں کو دے دیا کہ اُسے بیت المال میں دے دیا جائے۔

جب یہ حضرات میدانِ جہاد کی طرف روانہ ہوئے تھے تو سید صاحب نے اپنے رفقاءُ

سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ اب جس طرف کا عزم ہے وہاں گھر کے خرخشوں سے نپٹ کر چلیے تاکہ پھر دل میں خلجان نہ رہے - آپ نے اُن سے فرمایا تھا کہ خانگی معاملات کے انتظامات سے پوری طرح فراغت حاصل کر لیں تاکہ اطمینان و دلجمعی کے ساتھ جہاد میں مشغول ہو سکیں چنانچہ اس کے بعد پھر اہل و عیال یا جائیداد وغیرہ کی کوئی الجھن اُن کی یکسوئی میں خلل انداز نہ ہو سکی -

نہ برگ و بار کی پروا نہ انتظارِ رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق
اگر خدا پہ بھروسہ ہے ہو یگانہ روان
خدا سے بڑھ کے نہیں برگ و ساز کی توفیق

یہی وجہ ہے کہ منبروں پر وعظ و ارشاد کہنے والوں کی تو کبھی کمی نہیں رہی - لیکن راہِ حق میں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر نکل کھڑے ہونے والوں کی کمی ہمیشہ رہی ہے اور یہ توفیق ہر کسی کو نہیں ملا کرتی - یہ توفیق اگر ملی تو اُس شخص کو ملی جسے اگرچہ وعظ و ارشاد کی مسندیں آراستہ کرنے کے کاروبار سے رغبت نہ تھی لیکن اپنی گردن راہِ حق میں کٹا دینے کا ہنر خوب آتا تھا - چنانچہ سید صاحب نے ایک بار فرمایا:

"ہمارے پاس تحریر و تقریر کے لیے وقت کہاں ہے - نماز کی تعلیم یقیناً ضروری ہے - لیکن جو شخص خود ادائے نماز میں مشغول ہو، وہ تعلیم کیونکر دے سکتا ہے"۔[1]

ایک موقع پر پٹھانوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

"بھائیو میں جو اپنے وطن سے اتنے بندگانِ خدا کو جا بجا سے لے کر اور طرح طرح کی سختی اور مصیبت اُٹھا کر آپ کے اِس ملک کوہستان میں آیا تو فقط اس واسطے کہ آپ کے مُلک پر کفار غالب آ گئے ہیں"۔[2]

---

[1] سید احمد شہید جلد اوّل صفحہ ۲۷۱ مؤلفہ غلام رسول مہر
[2] سید احمد شہید جلد دوم صفحہ ۳۵۹ مؤلفہ غلام رسول مہر

ایک روز ایک ولائتی نے ایک نوجوان مجاہد کو دیکھ کر کہا:

"حضرت آپ کے لشکر میں تو زیادہ تر نوعمر لڑکے ہیں۔ ہتھیار بھی درست نہیں اور ارادہ والیٔ لاہور سے لڑنے کا ہے۔ میرے خیال میں یہ بات محل نظر نظر نہیں آتی ہے۔"[۱]

سید صاحب نے فرمایا:

"اخوند صاحب، لڑائی کی فتح و شکست اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ کثرتِ فوج اور درستیٔ اسلحہ پر موقوف نہیں۔ اللہ تعالیٰ تھوڑوں کو بہتوں پہ کامیاب کر دیتا ہے۔ جو شخص جہاد فی سبیل اللہ میں خلوصِ دل اور نیتِ خالص سے شریک ہوگا۔ لڑکا یا بوڑھا یا جوان۔ اس کی بہر طور فتح ہے اور جس کی نیت میں خلل ہے، اگر اسلام کی سامنے جہاں پہ فتح ہوگئی تو بھی اُس کی شکست ہے اور میں تو جب تک زندہ رہوں گا انشاءاللہ اس کام کو نہ چھوڑوں گا۔ بعد میرے جب تک پروردگار چاہے گا اس کام کو جاری رکھے گا۔"[۲]

چنانچہ سید صاحب کی تحریک نے سفر ہجرت کے ایسے ایسے پر عزیمت نمونے پیش کیے ہیں کہ انسان دنگ رہ جاتا ہے۔ حد یہ ہے کہ ہندوستان میں بعض کارخانوں کے مسلمان ملازمین اپنے کام سے چھٹیاں لے کر سینکڑوں میلوں کا سفر طے کر کے جہاد کے لیے سرحد پار جایا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انگریز مورخ ڈبلیو ہنٹر نے لکھا ہے کہ ۱۸۵۸ء میں سرکار برطانیہ نے جو مجاہدین کے خلاف فوجی مہم کی تو مقتولین میں ایسے لوگوں کی بڑی تعداد پائی گئی جو رنگ و روپ میں بنگال و بہار کے باشندے معلوم ہوتے تھے۔ ایک دوسری جگہ اُس نے لکھا ہے:

"سازش کے ان مقدمات سے ایسی کسی تنظیم کا راز کھلتا ہے جو بنگال کے

---

[۱] سید احمد شہید جلد دوم صفحہ ۳۵۹ مؤلفہ غلام رسول مہر

[۲] ایضاً

ڈیلٹاؤں سے بہت منظم طریقے سے روپیہ اور آدمی جمع کرتی ہے اور ہماری سڑکوں پر سے گزرتی ہوئی منزل بہ منزل دو ہزار میل دُور باغیوں کے کیمپ سپلائی کرتی ہے"۔[۱]

ایک انگریز جس کی بعض فیکٹریاں شمال مغربی صوبے میں ہیں، بتاتا ہے کہ اس کے کارخانے میں جتنے دیندار مسلمان ہیں ان کا کام عام شیوہ ہے کہ اپنی آمدنی کا ایک مخصوص حصہ مقامی کیمپ کے باغیوں کے لیے محفوظ رکھتے تھے۔ اور جو زیادہ جری ہیں وہ تو چھٹیاں لے کر باقاعدہ سرحد پار کیمپ میں جا کر باغیوں کے ساتھ مل کر جہاد میں بھی حصہ لیتے ہیں۔ جس طرح ہندو بار بار اپنے بعض تہواروں کے لیے چھٹیاں لیتے رہتے ہیں۔ اسی طرح مسلمان ملازم بھی جہاد میں شرکت کو مذہبی ڈیوٹی کے طور پر پیش کر کے چھٹیاں لیتے ہیں۔

"اس طرح ہمارے علاقوں سے باغیوں کے علاقے کی طرف ایک مستقل دھارا آدمیوں اور روپے کا بہتا رہتا ہے"۔[۲]

یہی وجہ ہے کہ انگریز ہمیشہ اس کوشش میں رہے کہ مسلمانوں کے اندر سے جہاد کا عقیدہ کسی صورت کھرچ دیا جائے تاکہ آزادی اور حریت کا جو جذبہ ان میں پیہم انگڑائیاں لے کر خطرے کا باعث بنتا رہتا ہے اُس سے نجات ہو جائے۔ چنانچہ اس ضرورت کا اظہار انڈین مسلمان کے مصنف نے بھی ایک جگہ کیا ہے۔

"یہ معلومات انتہائی اطمینان بخش ہیں کہ مسلمانوں کا ایک فرقہ ایسا بھی ہے جو اپنے عقیدے کی رُو سے ملکہ معظمہ کے خلاف بغاوت کرنے پر مجبور نہیں ہے اور یہ فرقہ قادیانی ہے"۔[۳]

اور شاید اسی مقصد کو پورا کرنے کی ضرورت تھی جس کے تحت مسلمانوں کے اندر سے ایک نئی

۱۔ انڈین مسلمان از ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر صفحہ ۱

۲۔ ایضاً صفحہ ۱۲-۱۳

۳۔ ایضاً صفحہ ۱۱۲

قادیانی نبوت کھڑی کی گئی تھی تاکہ جہاد کو حرام کرا کے ہمیشہ کے لیے اس خرخشے سے نجات حاصل کر لی جائے۔

اسلام کی سربلندی کے لیے مسلم قوم کے اندر جو پیہم جذبہ اُبلتا رہا ہے۔ اُس نے تاریخ کے مختلف موڑوں پر سر اُٹھایا ہے اور اپنی اُمیدوں کے متاع کسی نہ کسی کو نذر دے کر اُس کو اپنے ذرائع و وسائل سے کمک پہنچائی ہے۔ چنانچہ سید صاحب کی تحریک سے بھی مسلمان قوم کی جب اُمیدیں وابستہ ہوئیں تو اُس نے اپنے شعور بھر اس کی مدد کی اور اپنے اندر سے اس تحریک کو زندہ رکھنے کے لیے اسباب فراہم کرتی رہی۔ چنانچہ ہنٹر نے اس بات کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے۔

"سرحد کیمپ کے لیے جتھے پر جتھا بنگال کے دور دراز علاقوں سے تیار ہو کر روانہ ہوتا رہا۔ ہر بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہر خاندان کے جہاد میں حصہ لینے اور اپنا حصہ ادا کرنے کی پوری پوری کوشش کی۔ ہمارے جیل خانوں کے پھاٹکوں میں جتھے پر جتھا داخل ہوتا رہا۔ ہماری عدالتیں یکے بعد دیگرے ان جتھوں کے سرغنوں کو سزا پر سزا دیتی رہیں۔ لیکن پھر بھی پورا ملک مسلسل اسی امر کی اس آخری اُمید کو سہارا دینے کے لیے اسباب فراہم کرتا رہا۔ اور عیسائی راج کے خلاف خونی جدوجہد کیے چلے جانے پر بضد رہا۔"؎

لیکن جب تحریک کے مددگاروں پر ہندوستان میں انگریزی راج کے تحت مقدمات چلنے لگے تو پھر سفر کے شدائد کی نوعیت نے اپنا رنگ بدل لیا۔ محمد جعفر تھانیسری نے اپنی سرگذشت میں لکھا ہے۔

"جو گیانہ گیروا لباس، کالا کمبل اوڑھے ہوئے بیٹھے، ہتھکڑی کے زیور سے آراستہ پیراستہ ہم منزل در منزل اور کوچ در کوچ لاہور کو چلے جاتے تھے۔

ہم سب قیدی پا پیادہ چلتے تھے۔ جب کوئی تھک جاتا تو اسے گاڑی پر بھی سوار

؎ ہمارے ہندوستانی مسلمان ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر صفحہ ۱۰۱

کر لیتے تھے ورنہ سب کے سب پا پیادہ خلخالِ آہنی کو جھنجھناتے چلے جاتے تھے...
لیکن اس حال میں بھی (امیر جماعت) مولوی یحییٰ علی صاحب کی ہر دم مصاحبت میں رہے۔ اس سبب سے ہم کو تو اس سفر میں بھی دن عید اور رات شب برات ہو گئی تھی..... ایک طرف سورج کی کرنوں میں برات کے سونا چاندی اور تاش بادلہ اور ہیرہ مرصع کی چمک دوسری طرف ہماری بیڑی ہتھکڑی کے لوہے کی دمک۔ ادھر دوشالوں اور کمخواب اور بنات کا رنگ اِدھر ہمارے جوگیانہ لباس اور کمبلوں کی سرخی اور سیاہی کا ڈھنگ۔ اُدھر ہاتھی گھوڑوں کی ہنکار، اِدھر ہماری بیڑیوں اور ہتھکڑیوں کی جھنکار ایک دوسرے کے مقابل اس دنیائے فانی کی عزت و ذلت اور کمی بیشی مدارج کا فرق عجیب خوبی سے دکھا رہی تھی"۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ جب سید صاحب کی تحریک اُٹھی تو اس کے لیے گھروں کو چھوڑ دینے والوں کی کمی نہ رہی۔ بہت سے لوگ تھے جو زمین سے چمٹے نہ رہ گئے، بلکہ نکل کھڑے ہوئے۔ جائیدادیں اور اولادیں چھوڑیں، بیویاں اور بچے چھوڑے، دوست اور احباب چھوڑے، اور وہ سب کچھ چھوڑا جسے انسان زمین پر رہتے ہوئے اب تک عزیز سمجھتا آیا ہے اور صرف ایک راستہ پکڑ لیا جو رضائے الٰہی تک پہنچتا تھا۔ اس راستے کا جو کانٹا بنا اُسے علیحدہ کر دیا، اور یہ ثابت کر دیا کہ انسانی زندگی کی بیش بہا ترین متاع مقصد اور نصب العین ہے، دُنیا کی مادی آسودگیاں نہیں ہیں۔